⊙ اظہر حسین
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
⊙⊙ ڈاکٹر محمد ممتاز خان کلیانی
صدر شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

مجید امجد کی نظم میں مقامیت کے عناصر

Abstract:

MajeedAmjad was a genuine poet of Urdu literature in Indus valley. His poem are decorated with native sprit. He painted the landscape of Punjab in his poems. Poems of MajeedAmjad reveals a story of trees, rivers, animals, birds, mountains and historical sites of Punjab. His poetry with portrayal sense espoused metaphorically the varying signs of plants, flowers and birds in their cultural nuance. He also highlights the life of native people in his poems. This article covers all aspects portrayed in Majeed Amjad's poetry.

Keywords:

Poetry, Poem, Nativity, Landscape, Rivers, Birds, Mountains

مجید امجد کی شاعری میں یوں تو کئی موضوعات بکھرے پڑے ہیں ان کی نظموں میں عشق و مستی کی کیفیات سے لیکر عصری اور عمرانی شعور کے تذکرے موجود ہیں۔ مجید امجد کی شاعری کا ایک اہم پہلو مقامی تہذیب وثقافت اور اپنے جغرافیے سے جڑت اور محبت کا پہلو ہے۔ مجید امجد کی شاعری کا یہ پہلو اپنی مقامیت سے وابستہ ہے۔ مجید امجد کا دور نوآبادیاتی اور جدیدیت کا دور ہے اس دور میں مجید امجد کو پورا ادراک تھا کہ اردو ادب میں نوآبادیاتی اور جدیدیت کے مطالعات میں ایک مقامی پہلو بھی ہے جس کو اجاگر کرنے سے اپنی شناخت اور پہچان کو دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مجید امجد نے اپنے ہم عصروں سے ہٹ کر اپنے لیے وادی سندھ کی سرزمین کا انتخاب کیا وادی سندھ کی قدیم تہذیب وتمدن کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے اپنی شاعری کو مقامیت کی مربوط بنیاد پر استوار کیا:

> ''جدید اردو نظم کی جمالیات وشعریات چار اہم ثقافتی چشموں سے سیراب ہوئی ہے۔ حجاز، قدیم ہندوستان اور وادی سندھ، خصوصاً پنجاب اقبال کی نظم حجاز کی طرف رجوع کرتی ہے۔

راشد کی نظم عجم کی جانب جھکاؤ رکھتی ہے۔ میرا جی کی نظم کا بڑا حصہ قدیم ہندوستان کی اساطیری فضا سے رشتہ قائم کرتا ہے اور مجید امجد کی نظم بڑی حد تک وادی سندھ کی تہذیب سے رشتہ استوار کرتی ہے۔''(۱)

مجید امجد کی زندگی کا بیشتر حصہ جھنگ اور ساہیوال میں گزرا۔ مجید امجد نے ان دونوں خطوں کی تہذیب، ثقافت اور لینڈ سکیپ کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا اگرچہ مجید امجد کی نظموں میں کثیر الجہات موضوعات کا تنوع موجود ہے لیکن اس کی شاعری کا ایک رُخ جو مقامی سرزمین سے والہانہ عقیدت کے ساتھ اس کے اشعار میں ڈھلتا ہے یہی رخ دراصل ان کی شاعری کی اٹھان کا رخ ہے وہ اپنے شہر کو جب اپنی پہچان کا حوالہ گردانتا ہے تو وہ اپنی مٹی کے رنگوں میں ڈوب کر نخل سرسبز کو اپنی دھرتی سے ابھارتا ہے۔ اپنے لینڈ سکیپ اپنے پیڑ پودوں میں بیٹھ کر وہ اپنی مٹی کی تاثیر سے جو نظمیں تخلیق کرتا ہے وہ ایک شاعر کی کھوئی ہوئی پہچان کا نیا حوالہ بنتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں:

''یہی وہ اس کی اٹھان کا پہلا مقام ہے جہاں وہ ایک طرف دائمی غم سے اور دوسری طرف زمین اور مٹی سے ابد اور ابد سے بچھڑے ہوئے موجود لمحے سے پیمان وفا باندھتا ہے۔ یہیں پر وہ جھنگ کو اپنی پہچان کا پہلا حوالہ تسلیم کرتا ہے اور مٹی کے باطن میں جھانک کر اپنے وجود کے استعارے تلاش کرتا ہے۔''(۲)

مجید امجد کی بیشتر نظموں میں مقامی رنگ پوری حدت کے ساتھ موجود ہے۔ مجید امجد کی علاقائی یا مقامی تہذیب سے جڑت دراصل اس کی اپنی دھرتی یعنی وادی سندھ سے رغبت کا اعلان ہے۔ مجید امجد کی نظموں میں پنجاب کی دیہاتی فضاؤں، موسموں، مقامی پودوں، درختوں، فصلوں اور پرندوں کا احوال دراصل اپنی دھرتی اور اپنی مٹی سے عقیدت کا اظہار ہے۔ مجید امجد نے دراصل اپنی شاعری کا رشتہ اپنی مقامی ثقافت اور مقامی لوگوں کی بولیوں کے تال میل سے اخذ کیا۔ انہوں نے اردو میں شاعری کرنے کے باوجود فارسی اور عربی زبانوں سے رجوع کرنے کی بجائے اپنے مقامی خطے اور اپنے مقامی جغرافیے کو اہمیت دی۔ ساہیوال میں رہتے ہوئے اسے 'ہڑپہ' اور 'موہنجوداڑو' کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی نظموں میں مقامیت کو فروغ دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی تہذیب و تمدن کسی بھی خطے کی تہذیب و تمدن سے کم تر نہیں ہے۔ انہیں اپنے قدیم جغرافیائی لینڈ سکیپ کا احساس تھا جس کی بدولت انہوں نے اپنی نظموں میں اپنے پاؤں کے نیچے بچھی ہوئی زمین کا تذکرہ کیا۔

''ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جھنگ اور ساہیوال میں گزرا، ان دونوں شہروں کا لینڈ سکیپ ان کی شاعری میں در آیا ہے پھر دیار جھنگ کی عطا کردہ وارفتگی کا ذکر بھی خود مجید امجد نے کیا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو وہ اپنی دھرتی کے ساتھ جڑے ہوئے شاعر ہیں۔ یہاں کے موسم، یہاں کے رنگ، یہاں کے میلے اور ان میلوں کے مناظر کو انہوں نے بڑے قریب سے محسوس کیا ہے اس لیے مجید امجد کو مقامی تہذیب کا نمائندہ قرار دیا گیا۔''(۳)

مجید امجد کو مقامی تہذیب کا نمائندہ بہت سارے ناقدین نے قرار دیا ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''مجید امجد کی نظموں میں جو لینڈ سکیپ ہمارے سامنے آتا ہے وہ استاد اللہ بخش کی پینٹ کی ہوئی تصویر کی طرح دیہاتی وضع کا ہے۔ اس میں روشنیوں اور سایوں کا خوشگوار امتزاج موجود ہے۔ لیکن تاریکی روشنی پر غالب نہیں آتی اور تابناک اجالا آنکھوں کو اندھا نہیں کرتا۔ ندی میں پانی مسلسل بہہ رہا ہے لیکن یہ کناروں کو نہیں کاٹتا اور اس کی روانی ساعت پر بار نہیں بنتی۔ یہ باغوں، مرغزاروں اور سبزہ زاروں کا لینڈ سکیپ ہے جس کے درختوں کی شاخیں پھولوں سے لدی ہوئی ہیں۔''(۴)

مجید امجد کی نظموں میں مقامی بولیوں، مقامی موسموں، تہواروں، مقامی درختوں، پرندوں اور مقامی تہذیب کا تذکرہ اسے خالص مقامی شاعر ہونے کا درجہ دیتا ہے۔ مجید امجد کے ہاں موسموں کے تغیرات پر مبنی مقامی مہینوں کا ذکر ان کے دیسی ناموں کے ساتھ موجود ہے۔ جیٹھ، ہاڑ، ساون، بھادوں اور بیساکھ کا تذکرہ انہوں نے اپنی کئی نظموں میں کیا ہے اپنی نظم ''بیساکھ'' میں انہوں نے بیساکھ کے مہینے کا بھرپور نقشہ کھینچا ہے۔ بیساکھ کا مہینہ دیہات میں گندم کی کٹائی سے عبارت ہے۔ یہ مہینہ کسانوں کے لیے خوشی اور شادمانی کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ پکی ہوئی فصل کو کاٹنے کا مہینہ ہے۔ اس ''بیساکھ'' کی بنیاد پر پنجاب اور سندھ کے دیہاتوں میں ''بیساکھی'' کا میلہ بھی منایا جاتا ہے۔

''بیساکھی'' ہمارے مقامی تہواروں میں سے ایک تہوار ہے جو ''بیساکھ'' کے مہینے میں گندم کی کٹائی کی مسرتوں سے لبریز ہے۔ مجید امجد نے اپنی اس نظم میں ''بیساکھ'' کا ذکر کچھ یوں کیا ہے۔

بیساکھ آیا، آئی فسوں زائیوں کی رُت
آئی حسین کلیوں کی برنائیوں کی رُت
گاؤں کے مردوزن نے اٹھائیں درانتیاں
آئی سنہری کھیتوں کی لائیوں کی رُت
گندم کی فصل کاٹنے کے خوشگوار دن
محنت کشوں کی زمزمہ پیرائیوں کی رُت
خوشوں کے بکھرے بکھرے سے انباروں کا سماں
کھلواڑوں کے نگاروں کی رعنائیوں کی رت
کھیتوں میں دھیمے قہقہوں کا موسم حسیں
رستوں سے گونجتی ہوئی شہنائیوں کی رُت
دہقان کی امید کی بار آوری کا وقت
دنیا کے سوئے بخت کی انگڑایوں کی رُت

(کلیات مجید امجد، ص:۲۲۶)

اسی طرح ایک اور مقامی مہینے ''بھادوں'' کے عنوان سے بھی ایک نظم کلیات مجید امجد میں موجود ہے جس میں

انہوں نے جھنگ کی مقامی بولی کے لفظوں کو بھی شامل کیا ہے:

سامنے دیکھیں تو لوہے کی باڑ کے پار افق سے پرے
سوکھے سرد، سیاہ بنوں کی چھدری چھدری چھاؤں میں جھلکیں دھبے آتی صبحوں کے
بھورے بادل کی سلوٹ میں پیلے پتیل کی ڈوری
دکھتی جیوٹ رکتی جولاں دل کی کل میں ایک کمانی وقت کے چلتے پہیے کی
کیا کرے کوئی یہی بہت ہے جاگتی ٹیس اک درد بھری
مدھم جھونکے کا اکتارا ، کھیلتے گھونگھٹ آرزوؤں کے بھیگی پلکیں سوچوں کی
سدا رہے یہ سماں سہانا رت یہ سلگتی سانسوں کی
پھیلتی اگنی میں بل کھاتی گیلی دھرتی ، دُھندلا امبر ، کھلتی کونپل بھادوں کی

(کلیات مجید امجد، ص:۳۷۵)

اس نظم میں 'بنوں' چھدری' بھورے، دکھتی جیوٹ،' کمانی' اور'' اکتارا'' کے الفاظ جھنگ کی مقامی زبان کے الفاظ ہیں جن کو مجید امجد نے نہایت خوبصورت انداز میں اردو زبان کا حصہ بنایا ہے۔ اپنی ایک اور نظم'' زینیا'' میں انہوں نے ایک اور مہینے کا نام لیکر ذکر کیا ہے۔ 'جیٹھ ہاڑ' سخت گرمیوں کا مہینہ ہے۔ مجید امجد نے اس مہینے کی گرمی کی شدت کے باوجود محبوب کے سنگ ہو کر کئی رنگ بکھیر دیے ہیں:

انگاروں کا روپ
جیٹھ ہاڑ کی دھوپ
اور اس جلتے سمے
بہکیں تیرے سنگ
رنگ رنگ کے رنگ

(کلیات مجید امجد، ص:۳۴۸)

ساون کے مہینے کا ذکر مجید امجد کی نظم'' رکھیا اکھیاں'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جس میں انہوں نے گھنگھور گھٹاؤں، پھوار، ہریاول، ندی نالوں، اور ٹیلوں کا ذکر مقامی فضاؤں سے کشید کیا ہے:

جھکی جھکی گھنگھور گھٹائیں
ساون ، پھوار ، ہریاول
اس کی نیند میں جاگتی دنیا
کچھ تو بولو۔۔۔ تم کیوں ہنس دیں
پتھر کے چہرے پہ جڑی اکھیو
دل کہتا ہے اب کیا ہوگا

ندی ٹیلوں تک پہنچے گی
بہنے والے ، بہتے بہتے
اپنی ہونی میں ڈوبیں گے
کچھ تو بولو۔۔۔ تم کیوں ہنس دیں
مجھ پہ ترس کھانے والی اکھیو

(کلیاتِ مجید امجد، ص:۵۲۹)

مجید امجد کی شاعری میں موسموں کے تغیرات موجود ہیں۔موسموں کا تغیراتی سلسلہ فصلوں اور اشجار سے خاصا تعلق رکھتا ہے۔ بہار اور خزاں سے بات کریں تو پھولوں کا کھلنا اور پتوں کا جھڑنا پودوں اور درختوں سے عبارت ہے۔ اس لیے مجید امجد کی شاعری میں شجر کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔مجید امجد کی اشجار سے وابستگی کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''اس کے ہاں ہرے بھرے اشجار کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔اس نے شجر کو نہ صرف اس کے رنگ روپ میں دیکھا ہے بلکہ زاویہ نگاہ کو بدل بدل کر بھی اس کا نظارہ کیا ہے مجید امجد کے لیے شجر بیک وقت ایک دوست، محبوب، دست گیر، سخی اور بھکاری ہے اور آخر آخر تو محسوس ہوتا ہے جیسے مجید امجد بھی کسی تر و تازہ پیڑ ہی کا ایک روپ ہے۔''(۵)

کسی بھی خطے کا مقامی شاعر اپنے مقامی فانا فلورا سے بے حد پیار کرتا ہے۔زمین کا سارا حسن پودوں اور پیڑوں کی ہریالی میں ظاہر ہوتا ہے۔وہ زمین جس پر پودوں اور درختوں کا فقدان ہو بنجر اور سنگلاخ کہلاتی ہے۔مجید امجد چونکہ ایک میدانی اور زرعی جغرافیہ کا حصہ تھے اس لیے جھنگ، ساہیوال اور جنوبی پنجاب کے لہلہاتے کھیتوں، ہری بھری فصلوں اور جھومتے ہوئے اشجار اس کی شاعری میں جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔مجید امجد کی شاعری میں درختوں کا استعارہ اپنے وسیع تر معنوں میں موجود ہے۔اپنی نظم ''پژمردہ پتیاں'' میں انہوں نے صحن باغ، دوشیزہ بہار، خزاں کے پیوند، خزاں کے جنازے اور نقیب بہار جیسی تراکیب استعمال کر کے اپنی نظم کو نئی معنویت عطا کی ہے۔

بکھری ہیں صحن باغ میں پژمردہ پتیاں
دوشیزہ بہار کے دامن کی دھجیاں
ہمدم! غمیں نہ ہو کہ یہ مٹتی نشانیاں
اک آنے والی رت کی ہیں شیریں کہانیاں
ڈھیر اُن کے یہ نہیں ہیں چمن میں لگے ہوئے
پیوند ہیں خزاں کے کفن میں لگے ہوئے

(کلیاتِ مجید امجد، ص:۵۴)

مجید امجد درختوں کے پتوں کی بات کرتے ہوئے خود درخت کا پتہ بن کر اپنے مصرعوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

نظم ''سوکھا تنہا پتا'' میں وہ جب بیری کے اوپر سوکھے ہوئے پتے کو دیکھتا ہے تو یوں گویا ہوتا ہے:

اس بیری کی اونچی چوٹی پر وہ سوکھا تنہا پتا
جس کی ہستی کا بیری ہے پت جھڑ کی رت کا ہر جھونکا
کاش مری یہ قسمت ہوتی، کاش میں وہ اک پتا ہوتا
ٹوٹ کے جھٹ اس ٹہنی سے گر پڑتا ، کتنا اچھا ہوتا
گر پڑتا اس بیری والے گھر کے آنگن میں گر پڑتا
یوں ان پازیبوں والے پاؤں کے دامن میں گر پڑتا

(کلیات مجید امجد، ص:۶۱)

مجید امجد کی شاعری میں درختوں کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا رقمطراز ہیں۔

''درخت ایک ایسا ذی روح ہے جو اپنے لیے زمین اور آسمان دونوں سے غذا حاصل کرتا ہے۔ا س کی جڑیں زمین سے غذا کشید کرتی ہیں اور اس کے پتے سورج سے براہ راست توانائی حاصل کرتے ہیں۔یہی حال مجید امجد کی شاعری کا ہے وہ زمین سے پوری طرح وابستہ ہے اور زمین کی اشیاء اور مظاہر اس کے احساس کی گرفت میں نظر آتے ہیں۔''(۲)

ایک اور نظم ''گاڑی میں'' مجید امجد شاداب مرغزار، گنجان جھنڈ، پیڑوں کی شاخیوں پر چہکتے ہوئے طیور اور آزاد جنگلوں کی بات کرتے ہوئے قاری کے لیے ایک انوکھی سرشاری پیدا کر دیتے ہیں:

شاداب مرغزار کہ دیکھی ہے جس جگہ
اپنے نمو کی آخری حد ، ڈال پات نے
گنجان جھنڈ تلے کہنہ سال دھوپ
آئی کبھی نہ سوت شعاعوں کا کاتنے
پیڑوں کے شاخچوں پہ چہکتے ہوئے طیور
تاکا جنہیں کبھی نہ شکاری کی گھات نے
تم کتنے خوش نصیب ہو آزاد جنگلو
ابتک تمہیں چھوا نہیں انساں کے ہات نے

(کلیات مجید امجد، ص:۷۲)

''ایک کوہستانی سفر کے دوران میں'' انہوں نے ایک نخل بلند کو نورانی فرشتے کے طور پر دیکھا ہے جو رہروں کے قافلے کو گہرے غاروں کی تنگ پگڈنڈی میں سہارا دیتا ہے۔مجید امجد کے نزدیک اگرچہ وہ ایک بوسیدہ، خمیدہ کمزور پیڑ ہے لیکن سینکڑوں لوگوں کی دستگیری کا امین ہے لیکن ہم آدم زاد نے اپنی گردنوں کو اکڑا اکڑا رکھا ہوا ہے اور ہمیں درخت کی ایک جھکی ہوئی ٹہنی کا منصب بھی حاصل نہیں۔مجید امجد نے دراصل ایک درخت کی مثال دیتے ہوئے ضمیر آدمیت کو جھنجھوڑ نے

کی کوشش کی ہے:

ایک بوسیدہ، خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ
سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں
آہ! ان گردن فرازان جہاں کی زندگی
اک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنہیں حاصل نہیں

(کلیات مجید امجد،ص:۱۰۲)

''توسیع شہر'' مجید امجد کی اہم ترین نظموں میں شمار ہوتی ہے اس میں انہوں نے اپنی درختوں سے محبت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ یہاں انہوں نے درختوں کو بانکے پہرے دار اور ساونت کہہ کر پکارا ہے لیکن وہ شہر کی توسیع کے لیے درختوں کو کٹتا ہوا دیکھ کر بہت زیادہ افسردہ ہے۔ شجر کی ٹہنیوں اور شاخوں کو کٹتا ہوا دیکھ کر اسے اپنا جسم اور اپنے اعضاء کٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

بیس برس سے کھڑے تھے جو اس گاتی نہر کے دوار
جھومتے کھیتوں کی سرحد پر بانکے پہرے دار
گھنے، سہانے، چھاؤں چھڑکتے، بورلائے چھتنار
بیس ہزار میں بک گئے سارے ہرے بھرے اشجار
جن کی سانس کا ہر اک جھونکا تھا ایک عجیب طلسم
قاتل تیشے چیر گئے ان ساونتوں کے جسم
گرمی دھڑام سے گھائل پیڑوں کی نیلی دیوار
کٹتے ہیکل، جھڑتے پنجر، چھٹتے برگ و بار
سہمی دھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار
آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار
اس مقتل میں صرف اک میری سوچ لہکتی ڈال
مجھ پر بھی اب ، کاری ضرب اک، اے آدم کی آل

(کلیات مجید امجد،ص:۳۵۲)

مجید امجد کا رشتہ چونکہ اپنی زمین سے مربوط تھا اس لیے انہوں نے درختوں، پھولوں، پھلوں اور مقامی پرندوں کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ درختوں اور پودوں کی طرح مجید امجد کی نظموں میں مقامی پرندوں، جانوروں اور چراہوں کا ذکر ملتا ہے۔ مجید امجد کی نظم ''ایک فوٹو'' اپنے مقامی رنگ وآہنگ کی ایک نمائندہ نظم ہے۔ اس نظم میں مقامی لفظوں کا استعمال اسے مقامیت کے قریب تر کر دیتا ہے۔ اس نظم میں نیلم جڑے تھال، نیل کمل کے پھول، شردھا، چرن، شیتل جل، بیلڑی کے الفاظوں کے ساتھ تیتریوں کے پروں کی پیلی چادر والی دھوپ اپنی مقامیت کے رنگوں سے مزین نظر آتی ہے:

تیرے پاؤں تلے پانی پر، نیلو فر کے پھول
جن پہ چھڑکنے آئی ہے البیلی رتوں کے روپ
تیتریوں کے پروں کی پیلی چادر اوڑھ کے دھوپ

(کلیات مجید امجد، ص:۳۴۲)

اس طرح وہ اپنی نظم ''پکار'' میں مقامی پرندے ''لالی'' کا ذکر اس کی کالی چونچ، نیلے پیلے پنکھ اور اس کی بولی کے حوالے سے یوں کرتا ہے:

کالی چونچ اور نیلے پیلے پنکھوں والی
چوں چوں ، چُر چُر ، چہلاتی ''لالی''
بیٹھے بیٹھے اڑ کر
اڑتے اڑتے مڑ کر
بجلی کے اک تار پہ آ کر بیٹھ گئی ہے

(کلیات مجید امجد، ص:۳۱۷)

''چڑیا'' کے عنوان سے مجید امجد کی کلیات میں تین نظمیں شامل ہیں۔ ''اے ری چڑیا''، ''بہار کی چڑیا'' اور ''بن کی چڑیا'' ان نظموں میں ''بن کی چڑیا'' ان کی نمائندہ نظموں میں شمار ہوتی ہے اس نظم میں بھی مجید امجد کی لفظیات اور لہجہ اپنے بھرپور مقامی تاثر کے ساتھ موجود ہے۔ اس نظم کا ردھم اپنے مقامی سروں سے لپٹا ہوا ہے۔ اس نظم کے الفاظ مقامی الفاظوں کی تال میل سے گوندھے ہوئے ہیں۔ مجید امجد کی ان نظموں میں بلبل کی بجائے چڑیوں کی چہچہاہٹ سنائی دیتی ہے گویا مجید امجد نے فارس کی بلبل کو اہمیت نہیں دی بلکہ اپنی مقامی چڑیا کے راگ کو الاپا ہے۔ پنجاب کے اکثر دیہاتوں میں سرکنڈوں کے جنگل موجود ہیں۔ جو شہروں اور آبادیوں سے دور ہیں۔ اس سرکنڈے کے جنگل کی ایک کونپل پہ بیٹھی چڑیا مجید امجد کو اپنی طرف یوں لبھاتی ہے کہ شاعر اپنے آپ کو چڑیا کے احساسات میں ڈبو لیتا ہے:

کون سنے ، ہاں کون سنے ، راگ اس کے راگ البیلے
سب کے سب پرے ہیں میداں ، وادی ، دریا ، ٹیلے
ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پر کھیلے
دور سرابوں کی جھلمل روحوں پر آگ انڈیلے
نوک نوک خار کھلنڈرے ہرنوں کو کلپائے
گانے والی چڑیا اپنا راگ الاپے جائے

(کلیات مجید امجد، ص:۹۳)

مجید امجد کی شاعری میں پیڑوں اور پرندوں کے علاوہ مقامی جانوروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں بیشتر جانوروں کی ترجمانی کی ہے اس ضمن میں ڈاکٹر ناصر عباس نیئر لکھتے ہیں:

''امجد نباتاتی وحیوانی حیات کو انسانی صفات سے متصف نہیں کرتے۔ وہ چڑیوں کی زبان کو سمجھنے کی سعی کرتے ہیں۔ کٹتے درختوں، ذبح ہوتے اور بوجھ کھینچتے جانوروں کا کرب محسوس کرتے ہیں۔ وہ ان مخلوقات پر رحم نہیں کھاتے، ان کے حقیقی دکھ میں شرکت کرتے ہیں۔''(۷)

مجید امجد اپنی نظم ''بارکش'' میں ایک باربردار جانور کا تذکرہ کرتے ہوئے اس جانور کی تقدیر پر نوحہ کناں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس بوجھ کھینچتے اور چابک کھاتے جانور کے جتن کو دیکھتے ہوئے جب اس کی ابلتی آنکھوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو نسل انسانی کے ضمیر کو کچھ یوں جھنجھوڑتے ہیں:

چیختے پہیے، پتھ پتھریلا، چلتے بجتے سم
تپتے لہو کی رو سے بندھی ہوئی اک لوہے کی چٹان
بوجھ کھینچتے، چابک کھاتے جنور! ترا یہ جتن
کالی کھال کے نیچے گرم گٹھیلے ماس کا مان
لیکن تری ابلتی آنکھیں، آگ بھری، پر آب
سارا بوجھ اور سارا کشٹ آنکھوں کی تقدیر
لاکھوں گیانی من میں ڈوب کے ڈھونڈیں جگ کے بھید
کوئی تری آنکھوں سے بھی دیکھے دنیا کی تصویر!

(کلیات مجید امجد، ص:۳۸۸)

مجید امجد کی نظم ''ہڑپے کا ایک کتبہ'' اپنی مقامیت سے لبریز ایک نظم ہے جس میں یہاں کے مقامی جانور ''بیل'' کا ذکر ہے جس کے ساتھ ہل اور ہالی کا تذکرہ ہے۔ یہ نظم ہماری دیہاتی تہذیب اور ثقافت کی ترجمانی کرتی ہے۔ مجید امجد نظم کے شروع میں اپنی تہذیب کو تین ہزار سال پرانی تہذیب قرار دیتا ہے۔ نظم ہڑپے کی تہذیب دراصل قدیم ترین تہذیب تھی جس کا تذکرہ مجید امجد کے لیے ناگزیر تھا۔ وہ راوی کے تٹ پہ کھڑے ہو کر اپنی ہڑپائی تہذیب کی چھل بل دکھاتا ہے جس میں بیلوں کی جوڑی قدیمی زرعی نظام کی خبر دیتی ہے:

''امجد کی نظم میں ہڑپے کے جس کتبے کی قرأت کی گئی ہے۔ اس میں تین بیل ہیں۔ ہل کو کھینچنے والے دو بیل اور ایک ہالی، بیل ہڑپائی تہذیب، زرعی تہذیب کی مرکزی قوت اور بنیادی علامت ہے۔''(۸)

بہتی راوی ترے تٹ پر۔۔۔کھیت اور پھول اور پھل
تین ہزار برس بوڑھی تہذیبوں کی چھل بل
دو بیلوں کی جیوٹ جوڑی ، اک ہالی ، اک ہل
سینہ سنگ میں بسنے والے خداؤں کا فرمان
مٹی کاٹے ، مٹی چاٹے ، ہل کی انی کا مان

آگ میں جلتا پنجر پالی کا ہے کو انسان
کون مٹائے اس کے ماتھے سے یہ دکھوں کی ریکھ
ہل کو کھینچنے والے جنوروں جیسے اس کے لیکھ
تپتی دھوپ میں تین بیل ہیں، تین بیل ہیں دیکھ

(کلیات مجید امجد، ص:۳۳۶)

مجید امجد اس نظم میں وادی سندھ (ہڑپہ) کا حوالہ دیتے ہوئے سندھ وادی کو بوڑھی تہذیب قرار دیتے ہیں ساتھ ہی اس کے وہ اپنی دھرتی کو زرعی دھرتی کہتے ہیں جہاں پر راوی کے کنارے پھول، پھل اور سرسبز لہلہاتے کھیت ہیں ۔لیکن اس کے باوجود وہ اپنی دھرتی پر بسنے والے افراد کی تقدیر پر نوحہ کناں ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ یہاں کے مقامی لوگ جانوروں جتنا کام کرتے ہیں لیکن انہیں ان کی محنت کا پھل نہیں ملتا اس لیے وہ نظم کے آخری مصرعے پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کڑی دوپہر میں صرف دو بیل نہیں ہیں جو ہل کو کھینچ رہے ہیں بلکہ ایک تیسرا ہاتھ بھی ہے جو ہالی کے اوپر ہے وہ مقامی انسان کا ہاتھ ہے۔لیکن مجید امجد اسے انسان نہیں کہتے بلکہ سے آگ میں جلتا پنجر قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح اپنی ایک اور نظم ''کنواں'' میں بھی مجید امجد اپنی مقامیت کے دکھڑے میں مبتلا ہیں۔ یہاں بھی دو بے جان اندھے تھکے ہارے بیلوں کا جوڑا ہے جو کنویں کے رہٹ کو کھینچنے میں مگن ہے۔ بھاری زنجیریں، سلاسل اور آتشیں تازیانے اس کا مقدر ہیں لیکن وہ مالک کے کہنے پر شانے سے شانہ ملائے کنویں کے پانی کے لیے گھوم رہے ہیں۔ مجید امجد یہاں ان کے مقدر کو نیارا مقدر کہتا ہے۔ وہ اس لیے کہ بیلوں کی اس جوڑی کو نہ رکنے کی تاب ہے اور نہ چلنے کی سکت ہے۔ ادھر کنویں کا مالک اپنی بانسری کی میٹھی سریلی صدائیں گادی پہ لیٹا ہوا ہے۔ اسے کوئی خبر نہیں ہے کہ بیلوں کی جوڑی جو مسلسل محنت و مشقت میں مصروف ہے اُسے ان کی محنت سے کوئی سروکار نہیں۔ کنوئیں سے نکلنے والا پانی کہاں جا رہا ہے ۔کیسے جا رہا ہے کھیت کس طرح سیراب ہو رہے ہیں۔ پانی کیاریوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔ اسے اس چیز کی کوئی خبر نہیں ہے:

> ''کنواں بھی ہڑپائی تہذیب، زرعی تہذیب کی اہم قوت و علامت ہے۔ کنواں بھی بیل پر منحصر ہے۔ ہڑپائی تہذیب میں تین بیل مسلسل ہل چلا رہے ہیں اور اس تہذیب کا کنواں بھی مسلسل چل رہا ہے مگر کھیت سوکھے پڑے ہیں، نہ فصلیں نہ خرمن نہ دانہ، دل کو چیر ڈالنے والی ویرانی اور تخیل کو جھلسا ڈالنے والی بیابانی ہے۔ ہڑپائی تہذیب کی یہ وہ معنویت ہے جو امجد اپنی نظم میں قائم کرتے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ معنویت یا بصیرت بھی صدمہ انگیز ہے۔''(۹)

مجید امجد کی نظم ''ریوڑ'' بھی اپنے مقامی لینڈ سکیپ سے پھوٹتی ہوئی ایک نظم ہے اس نظم میں بھی مقامی جانوروں یعنی بکریوں کا تذکرہ ہے۔ اس نظم کا سارا ماحول مقامی رنگوں سے عبارت ہے۔ مست چرواہے کا چراگاہ کی چوٹی سے اترنا، زیتون کی لابنی سونٹی کا بدلی میں اٹکنا بھرپور مقامی اثرات کا حامل ہے۔

مست چرواہا ، چراگاہ کی اک چوٹی سے

جب اترتا ہے تو زیتون کی لابنی سونٹی
کسی جلتی ہوئی بدلی میں اٹک جاتی ہے

(کلیات مجید امجد، ص:۱۶۰)

چرواہے کے بعد جب وہ بکریوں کا ذکر کرتا ہے تو بکریوں کے تھنوں کو چھاگلوں سے تشبیہ دیتا ہے جس میں دشت کی مہکار سے گوندھا ہوا دودھ ہے۔ چرواہا، بکریوں کا ریوڑ اور چھاگل یہ سارے الفاظ مقامی استعارے ہیں جنہیں مجید امجد نے اپنی اس نظم میں باندھا ہے:

بکریاں ،دشت کی مہکار میں گوندھا ہوا دودھ
چھاگلوں میں لیے جب رقص کناں آتی ہیں
کوئی چوڑی خم دوراں پہ چھنک جاتی ہے

(ایضاً،ص:۱۶۰)

مجید امجد کی نظموں میں مقامی جانوروں کا ذکر دراصل اس کی اپنی دھرتی اپنی زمین اور اپنے لینڈ سکیپ سے محبت کو اجاگر کرتا ہے۔ مجید امجد کی نظموں میں دیہات نگاری کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔ دیہات کے اس منظر نامے میں سخت گرمیوں کے موسم میں کیکر کی چھاؤں تلے بیٹھے ہوئے مقامی جانور ہیں جو گرمی سے ہانپتے ہوئی مقامی درخت میں اونگھنا چاہتے ہیں:

یہ دوپہر کو کیکروں کی چھاؤں کے تلے
گرمی سے ہانپتی ہوئی بھینسوں کے سلسلے
ریوڑ یہ بھیڑ بکریوں کے اونگھتے ہوئے
جھک کر ہر ایک چیز کی بُو سونگھتے ہوئے

(کلیات مجید امجد،ص:۱۸۸)

مجید امجد کی نظموں کا ایک اہم پہلو گاؤں اور دیہات نگاری پر مشتمل ہے کسی بھی تہذیب وثقافت کو جانچنے کے لیے شہروں کی بجائے دیہی زندگی کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔تہذیب وثقافت کا اصل رخ دیہاتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کسی بھی خطے کی مقامیت کا وجود دیہات کی زندگی میں پنہاں ہوتا ہے۔ آج کے اس ملٹی نیشن دور میں کسی بھی ریاست کے کسی بھی شہر میں کسی قوم کی مقامیت کا اندازہ صرف اور صرف دیہاتوں میں جا کر لگایا جاسکتا ہے۔ مجید امجد کی زندگی کا زیادہ عرصہ جنوبی پنجاب کے دو چھوٹے شہروں میں گزرا۔ جھنگ اور ساہیوال کے گردونواح میں سینکڑوں دیہات موجود تھے۔ مجید امجد کے ذہن میں دیہات کا پورا نقشہ موجود تھا جس کی بدولت انہوں نے اپنی بیشتر نظموں میں دیہات نگاری کو اجاگر کیا۔ مجید امجد کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ یحییٰ امجد کا کہنا ہے۔

''یہ شرف صرف مجید امجد کو حاصل ہے کہ اس نے مغلیہ ادبی کلچر کو تیاگتے ہوئے ایک اور ہی دنیا آباد کی ہے اس کی شاعری کا ماحول دربار کا نہیں، دربار سے باہر کی دنیا کا ہے، شہر کا نہیں، قصبے

،گاؤں اور بستی کا ہے، آباد کاروں کا نہیں تل وطنیوں کا ہے۔''(۱۰)

مجید امجد بھی ایک تل وطنی یعنی مقامی شاعر تھا۔انہوں نے آباد کاروں کا ماحول اپنانے سے مفر کیا اور اپنی تل وطنی زندگی کو اہمیت دی اس لیے مجید امجد کی نظموں میں مقامی ماحول اور دیہی زندگی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر عامر سہیل لکھتے ہیں:

> ''ان کے کلام میں جھنگ کی فضا، مزاج، موسم، رسوم، ثقافت، کھیت کھلیان، بازار، مٹیاں غرض سبھی کچھ نظر آتا ہے۔انہی تناظرات میں وہ اپنے لیے جو لفظیات چنتے ہیں ان میں جھنگ رنگ کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ان الفاظ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا ضمیر دھرتی سے اٹھا ہے یہ الفاظ خالصتاً پنجاب کے دیہاتوں کی یاد دلاتے ہیں اور آگے چل کر یہی مقامی ثقافت اور لفظوں کا مزاج ان کے شعری آہنگ کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔''(۱۱)

جب کوئی شاعر اپنی مقامیت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کی شاعری میں مقامی الفاظ خود بخود نزول ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔مجید امجد نے جب بھی مقامی ماحول میں نظم لکھی تو ان کا اسلوب بھی پلک جھپکتے مقامی زبان کے بہاؤ میں بہتا چلا گیا اور یوں مجید امجد نے اپنی نظموں میں ایک نیا شعری اسلوب متعارف کرایا جو صرف اور صرف مقامیت کا مرہونِ منت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ناصر عباس نیر، مجید امجد: حیات، شعریات، جمالیات، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۳۵

۲۔ احتشام حسین، مجید امجد: نئے تناظر میں، (لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء)، مرتبہ، ص ۱۳۳

۳۔ سید عامر سہیل، مجید امجد: نے نقش گرِ ناتمام، (لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۶۹

۴۔ مجید امجد نئے تناظر میں، مرتبہ، ص ۸۲

۵۔ وزیر آغا، مجید امجد کی شاعری میں شجر، مشمولہ: مجید امجد: نئے تناظر میں، ص ۴۷

۶۔ ایضاً، ص ۷۸

۷۔ ناصر عباس نیر، مجید امجد: حیات، شعریات، جمالیات، ص ۱۵۱

۸،۹۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۱۰۔ یحییٰ امجد، پاکستانی عوامی ادبی کلچر کا پیش رو، مشمولہ: دستاویز، (لاہور: ۱۹۹۱ء)، جلد ۲، شمارہ ۵، ص ۹۲

۱۱۔ سید عامر سہیل، مجید امجد: نے نقش گرِ ناتمام، ص ۳۰۰